An Analytical Study of the Novel "Dulari"in the Perspective of Trauma Theory

ٹراما تھیوری کے تناظر میں ناول "دلاری" کا تجزیاتی مطالعہ

Shafia Subas Abbasi*[1]
PhD Scholar, Department of Urdu, NUML, Islamabad.
Dr. Syed Aoun Sajid*[2]
Assistant Professor, Department of Urdu, FUUAST, Islamabad

شافعہ سُباس عباسی☆[1]
پی ایچ ڈی، شعبہ اردو، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد
ڈاکٹر سید عون ساجد☆[2]
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، وفاقی اردو یونیورسٹی، اسلام آباد

Correspondance: dr.aounsajid@fuuast.edu.pk

eISSN:**3005-3757**
pISSN: **3005-3765**

Received: 02-02-2026
Accepted:29-03-2026
Online:31-03-2026

Copyright:© 2023 by the authors. This is an access-openarticle distributed under the terms and conditions of the Creative Common Attribution (CC BY) license

ABSTRACT:This study presents an analytical review of the novel " Dulari" in the perspective of Trauma Theory. The research explores the psychological, emotional, and social sufferings portrayed in the novel and examines how traumatic experiences affect the lives of the characters. It also highlights the themes of memory, slavery, identity, pain, and survival presented by the writer. Through the application of Trauma Theory, this study investigates the hidden dimensions of fear, loss, and mental disturbance reflected in the narrative. The aims of this research is to understand the impact of past traumatic events on individual and collective consciousness. This analytical study further explains how trauma shapes human behavior and emotional responses in the novel.

KEYWORDS: Trauma Theory, Novel Dulari,Post Traumatic Disorder , Identity Crisis, Slavery , Emotional Suffering , Analytical Study

ادب لفظوں کے مجموعہ تک فقط محدود نہیں ہو تا بلکہ یہ اپنے اندر انسانی تجربات، گہرائیوں میں چھپے صدمات واحساسات کی بھی بھرپور ترجمانی کرتا ہے۔ ہر انسان زندگی میں حادثات اور محرومیوں سے دوچار ہوتا ہے لیکن بعض حادثات انسان کی شخصیت پر اتنے دیرپا نقوش چھوڑ جاتے ہیں کہ وہ زخم وقت گزرنے کے باوجود بھی مندمل نہیں ہوپاتے۔ انہی دیرپا اثرات کا مطالعہ جدید تنقیدی نظریے ٹراما تھیوری کے ذیل میں آتا ہے۔ اس نظریے میں اس عمل کی وضاحت کی جاتی ہے کہ شدید ذہنی و جذباتی صدمات انسان کے لاشعور میں کیسے پیوست ہو کر اس کی شناخت، رویوں اور یادداشت کو متاثر کرتے رہتے ہیں اور ان کا اندازِ اظہار زیادہ تر غیر مستقیم ہوتا ہے جو انسان کے حال کو متاثر کرتا رہتا ہے۔ انسان حال میں بظاہر جیتا نظر آتا ہے لیکن ایک حصہ اس کا ہمیشہ ماضی کے کربناک واقعات میں مقید رہتا ہے۔ یوں انسانی زندگی جتنی بظاہر سادہ نظر آتی ہے اتنی ہی باطن میں تہہ دار اور پیچیدہ ہوتی ہے۔

ادب و نفسیات دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم ملزوم ہیں ادب میں انسان کے جذباتی و ذہنی تجربات کا اظہار ہوتا ہے اور نفسیات کی مدد سے ہی انہی تجربات کو سمجھا جاتا ہے۔ ادب میں کرداروں کی داخلی کشمکش اور ذہنی الجھنیں دراصل انسانی ذہن کی ہی عکاس ہوتی ہیں۔ اس میں صدمہ / ٹراما ایک نفسیاتی عنصر ہے جو انسانی رویوں اور یادداشت کو متاثر کرتا ہے اور ادب میں اس کا اظہار مختلف طرح سے کیا جاتا رہا ہے۔ اردو ادب کی دیگر اصناف کے موضوعات میں جہاں وسعت و ترقی ہوئی ہے وہیں ناول کے موضوعات میں بھی وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ نمایاں ارتقا نظر آتا ہے اور انسانی حقیقتوں اور تجربات واحساسات کو زیادہ ہمہ گیریت سے بیان کیا جاتا ہے۔ سعید احمد نقوی کا ناول "دلاری" اردو افسانوی ادب کے اہم ناولوں میں سے ہے، یہ ناول انسانی دکھوں اور نفسیاتی پیچیدگیوں کی نا صرف بھرپور عکاسی کرتا ہے، بلکہ ایک محقق ذہن کو ان موضوعات پر اچھا خاصہ مفید مواد فراہم کرتا ہے۔ زیر قلم تحقیقی مقالے میں ٹراما تھیوری کے تناظر میں اس ناول کا تجزیاتی مطالعہ کیا گیا ہے۔

لفظ "ٹراما" یونانی زبان کا لفظ ہے۔ جس کا مطلب زخم، صدمہ، چوٹ کے ہیں۔ امریکن سائیکالوجیکل ایسوسی ایشن نے ٹراما کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

> "Any disturbing experience that results in significant fear, helplessness, dissociation, confusion, or other intense feelings, strong enough to have a long lasting negative effect on a person's attitudes, behaviour, and other aspects of functioning. "(1)

ایسے پریشان کن تجربات جن کے نتیجے میں انسان تادیر خوف، کسمپرسی، تنہائی اور تذبذب جیسے شدید احساسات کا یوں شکار ہو جائے کہ یہ تجربات اس کے رویے اور زندگی کے دیگر افعال پر دیرپا منفی اثرات مرتب کریں ٹراما کہلاتے ہیں۔

ٹراما کے آغاز کے متعلق کی جانے والی عمومی تحقیق اس نتیجے پر پہنچی ہے کہ اس کے ابتدائی نقوش یونان میں ملتے ہیں۔ ہیروڈوٹس جو یونانی مصنف تھا اس کے ہاں پوسٹ ٹرامیٹک ڈس آرڈر کی مثالیں ملتی ہیں لیکن باقاعدہ تھیوری کے طور پر آغاز فرائیڈ کے نظریہ کے بعد 1990ء میں ہوا۔ فرائیڈ نے جب ہسٹریا کے مرض میں مبتلا اشخاص کا جائزہ لینا شروع کیا تبھی ٹراما تھیوری کے ابتدائی نقوش تشکیل پانے لگے۔ ٹراما کے بارے میں نظریات کا جائزہ لیا جائے تو کیتھی کراؤتھ کے نظریات کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

ڈاکٹر عنایت اللہ لکھتے ہیں ڈبل ٹراما تھیوری کے حوالے سے یوں لکھتے ہیں کہ:

> "According to double trauma theory, the survivors of a traumatic incident experience double trauma in the sense that he or she has witnessed, the trauma of other people's death and, paradoxically, the survivors sees his very survivor as a trauma itself. The survivor sees his existence as a trauma because he is constantly hunted by flashback of the other people's death."(2)

کیتھی کروتھ کی ڈبل ٹراما تھیوری کے مطابق ایک فرد کسی حادثے سے بچ جانے کے بعد دوہرے صدمے میں مبتلا ہو جاتا ہے ایک وہ حادثہ جو اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا دوسرا وہ حادثہ جس سے بچ کر زندہ رہ جانے کو بھی صدمے کی نگاہ سے دیکھتا ہے وہ فلش بیک کی صورت میں واقعات کو یاد کرتا رہتا ہے۔

ڈومینک لاکیپرا نے بھی ٹراما کے متاثر انسانوں کے متعلق ایکٹ آؤٹ کا نظریہ دیا ہے۔ ایکٹ آؤٹ سے مراد خوفناک واقعے کو بار بار ذہن میں لانا اور ورکنگ تھرو سے مراد حادثے کو یاد میں لاتے ہوئے اپنے روزمرہ زندگی میں اپنی شناخت کرنا۔ ڈینیل روسو کے ہاں یہ لفظ جسمانی زخم کے طور پر استعمال ہوا ہے لیکن اسے اب زیادہ تر جذباتی زخم کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ 1861ء امریکی جنگ میں یہ لفظ ناسٹیلجیا کے طور پر استعمال ہوا ہے۔

ٹراما اصل میں جذباتی، نفسیاتی اور ایسی ذہنی کیفیت ہے جس کے اثرات انسان کی زندگی پر دیرپا رہتے ہیں ان کیفیات کے روحانی اور سماجی طور پر بھی منفی اثرات مرتب ہوتے رہتے ہیں۔ ٹراما کے اسباب میں دہشت گردی، جنگی تشدد، بدسلوکی، برے رویے، بے سلوکی، ہجرت اور کسی اپنے کی موت وغیرہ شامل ہیں۔ ان صدمات کا ذہنوں کو مسلسل گھیرے رہنا پوسٹ ٹرومیٹک ڈس آرڈر تک لے جاتا ہے۔ ڈاکٹر ثمینہ گل اور ڈاکٹر غلام اکبر نے اپنے تحقیقی مضمون میں اس کیفیت کے متعلق یوں لکھا ہے:

> "ماہرین طب کے مطابق ٹراما ایک ایسی کیفیت کا نام ہے جہاں انسان اپنے حواس کھو بیٹھتا ہے زندگی ساکت اور جامد ہو کر ایسی نہج پر چلی جاتی ہے جہاں سے اسے اپنی یا جہاں کی کوئی خبر نہیں ہوتی انسان شعور اور لاشعور کے درمیان حائل پردے کو کراس کر کے اپنی اذیت کے احساس کو ختم کر دیتا ہے۔ اس کے پس پردہ کئی عوامل و محرکات ہیں۔ قدرتی آفات، جھگڑا، قتل و غارت، دنیا میں اکیلے رہ جانا، موروثی ذہنی تناؤ، موذی بیماری ان تمام اسباب کی باعث انسان اپنی قوت مدافعت کھو بیٹھتا ہے۔"(3)

انسان کی الجھنیں اور نفسیات اُردو ادب کا حصہ رہی ہیں۔ انسانی ناآسودہ خواہشات اپنے اظہار کے مختلف طریقے اپنا کر تقریری یا تحریری صورت میں سامنے آتی رہتی ہیں۔ تحلیل کا یہ عمل انسان اپنی ذات میں بولتے اور لکھتے وقت کرتا ہے۔ انسانی خواہشات، تجربات و مشاہدات صدمات اور خدشات وغیرہ کا اظہار ادب کی ہر صنف میں پیش کرنا ممکن ہے۔ اس حوالے سے ڈاکٹر نازیہ لکھتی ہیں:

> "نفسیات اور ادب ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہیں اور ایک دوسرے کا آئینہ بھی۔ نفسیات شعور، تحت الشعور، لاشعور اور اجتماعی شعور سے بحث کرتی ہے تخلیق کی شکل میں ادب ہمیشہ نفسیات کے لیے عناصر سے زیر بار رہا ہے۔"(4)

ادبی متون میں صدمات مختلف صورتوں میں ملتے ہیں۔ ناول دلاری میں موجود تمام کردار نفسیاتی الجھنوں کا شکار ہیں اور ماضی کے صدمات انہیں فلیش بیک کی صورت میں یاد آتے ہیں۔ یہ ناول امریکی سول وار کے بعد لکھا گیا ہے یہ جنگ 1861ء سے 1865ء تک رہی۔ سیاہ فام افریقن لوگ گوروں (امریکن) سے آزادی حاصل کرنے میں کامیاب تو ہو گئے تھے لیکن آزادی کے بعد بھی ذہنی غلامی نے ان کا پیچھا نہیں چھوڑا تھا۔ اسے ہم وار ٹراما کہہ سکتے ہیں کیونکہ جنگ کے بعد غلامی ایک

پوسٹ ٹرومیٹک ڈس آرڈر کے طور پر ان کے ساتھ جڑی ہوئی ہے۔ صفدر رشید لوئیس ایل سنائیڈز کے وار ٹراما کے نظریے کا ترجمہ ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"سیاہ فارم، سفید فارم، زرد فارم جس جس مرد و عورت اور بچے نے براہ راست جنگ کا اثر کا تجربہ کیا اس کی زندگی اور قلب بدل گئے۔ میں ایسے افراد سے آگاہ ہوں جو ذہنی اعتبار سے بیماری کے اس منزل میں ہیں کہ ہوش و حواس کھونے کے قریب پہنچے ہوئے ہیں وہ ہسپتالوں سے صحت پا کر باہر تو آگئے ہیں لیکن جنگ نے ان کی حقیقی شخصیت چھین لی ہے۔"(5)

نسلی تعصبات اور امریکی سول وار کی وجہ سے دلاری کا مرکزی کردار سیتھ جسمانی و جذباتی صدمات سے دوچار ہے۔ تمام کردار بے چینی، خوف، اور ماضی کے واقعات میں ہی جیتے ہیں۔ پوسٹ ٹرومیٹک ڈس آرڈر ایک فرد کا نہیں ہے۔ اس تکنیک کی مدد سے حال اور ماضی دونوں کو آپس میں جوڑا گیا ہے۔

پال ڈی، سیتھ، ڈینور اور دیگر کرداروں کا ماضی کی طرف رجحان اس بات کا ثبوت ہے ماضی فقط یادوں تک محدود نہیں ہوتا بلکہ زندہ حقیقت ہوتا ہے جو کسی بھی وقت ہمارے حال کو متاثر کر سکتا ہے۔ اس ناول میں دبائی گئی خواہشات اور صدمات کس طرح انسان کو حال میں بھی تکلیف دیتے رہتے ہیں۔ پورا ناول ہی فلیش بیک کی تکنیک میں آگے بڑھتا ہے۔ ان مسائل کی طرف توجہ دلائی گئی ہے جو جنگ سے اور نسلی امتیاز سے لوگوں کی زندگیوں کو متاثر کرتے ہیں۔ کرداروں کا ماضی کی طرف رجحان اور ان کی نفسیاتی کشمکش یہ احساس دلاتی ہے کہ ٹراما سے چھٹکارے کے لیے جسمانی کوششیں ناکافی ہیں اور سماجی اور ذہنی حمایت بھی ضروری ہے۔

اس حوالے سے اقتباس ملاحظہ ہو:

"میں وقت کے بارے میں بات کر رہی تھی اس لیے اس کا اعتبار بہت دشوار ہے۔ کچھ چیزیں ختم ہو جاتی ہیں، گزر جاتی ہیں کچھ بس جاتی ہیں، میرا خیال تھا کہ شاید میں ہی انہیں بار بار یاد کرتی ہوں سمجھ رہی ہو، کچھ باتیں ہم بھول جاتے ہیں کچھ چیزیں نہیں بھول پاتے، مقامات یاد رہتے ہیں، اگر کوئی گھر نذر آتش ہو جائے تو وہ ختم ہو جاتا ہے مگر وہ مقام اس کی تصویر باقی رہتی ہے میرا مطلب ہے کہ اگر میں نہ بھی سوچوں اگر میں مر بھی جاؤں تو جو میں نے کیا دیکھا یا سمجھا اس کی تصویر وہاں موجود ہے اسی جگہ جہاں وہ ہوا تھا۔"(6)

ناول دلاری میں غلامی ایک اہم موضوع ہے۔ اس ناول میں سماجی اور نفسیاتی غلامی کو پیش کیا ہے۔ غلامی سے آزاد ہونے کے باوجود بھی تمام کردار ذہنی غلام ہی معلوم ہوتے ہیں۔ غلامی کا سایہ ان کے ذہنوں پر چھایا ہوا تھا۔ غلامی سے بچانے کے لیے سیتھ اپنے بیٹی دلاری کو مار دیتی ہے تا کہ وہ غلامی والی زندگی بسر نہ کرے۔

کشور ناہید سیتھ کے کردار کے متعلق لکھتی ہیں کہ:

"سیتھ عظمت کا نشان ہے کہ سفید فام اولاد کو اپنی آنتوں سے خود نکال کر پھینکتی ہے۔ دلاری جو زمین میں دبا دی گئی ہے مگر آزادی کی جد وجہد کا وہ دائمی نشان ہے جو زیتون کے درخت کی طرح سر و قدر رہتا ہے یا مائیکل جیکسن جو اپنی جلد کو کھرچ کھرچ کر سفید فام ہونے میں ناکام رہا ساری قوموں نے اس کی آواز کی رمزیت میں وہی سیاہی دیکھی جو افق کے پاس نمودار ہوتی ہے۔"(7)

دلاری میں غلامی ایک اجتماعی صدمہ ہے یہ صدمہ فقط سیتھ کی ذات تک محدود نہیں ہے بلکہ تمام کردار جسمانی آزادی حاصل کرنے کے باوجود ذہنی غلام ہیں۔

دلاری ناول میں سماجی دباؤ ایک ہمہ گیر طاقت ہے جو زندگی اور کرداروں کی نفسیات کو متاثر کرتا ہے۔ آزادی حاصل کرنے کے بعد سیاہ فام لوگ زندگی گزارتے رہے ہیں اسی معاشرے میں سانس لیتے ہیں جہاں غلامی اب بھی موجود ہیں۔ ایسے میں سماجی توقعات ان کی جان نہیں چھوڑتی ہیں۔ سیتھ کی زندگی میں وہی ظالمانہ قدریں آزادی کے بعد بھی ہیں جنہوں نے غلامی میں سیتھ کی عزت کو مجروح کیا تھا۔ یہ معاشرہ ہی ایک پاکیزہ ماں جیسے رشتے کو بھی المناک انجام تک پہنچا دیتی ہے۔ کمیونٹی میں موجود ایسے افراد بھی ہیں جو اس پر الزام تراشی اور تنہائی میں بھی تنگ کرتے ہیں جس کے عوض وہ اپنی شناخت ہی بھول جاتی ہیں۔ سماجی دباؤ فقط جسمانی طور پر اثر انداز نہیں ہوتا بلکہ ذہنی طور پر بھی متاثر کرتا ہے۔ یوں سماجی دباؤ نسل در نسل آگے منتقل ہو جاتا ہے اور آزادی فرد کو ختم کر دیتا ہے۔ اس ناول میں شناختی بحران کو بھی واضح انداز میں سامنے لایا گیا ہے۔ سیاہ فام لوگوں سے غلامی نے ان کی اپنی شناخت چھین لی تھی اس وجہ سے وہ خود کو مکمل انسان تصور نہیں کرتے تھے۔ شناختی بحران ایک بہت بڑا المیہ ہے جس میں انسان خود کو پہچانتا نہیں ہے۔ دلاری کا کردار بھی ایک مسخ شدہ شناخت کے طور پر سامنے آتا ہے جو سیتھ کو ماضی کی طرف بار بار رجوع کرواتا ہے یہ سیتھ کا ہی المیہ نہیں بلکہ پوری افریقی قوم کا المیہ ہے جو خود اپنی شناخت کرنے سے قاصر تھے۔

"ان سفید فاموں نے مجھ سے سب کچھ چھین لیا میرے خواب بھی وہ کہتی، اور میرے دل کے تار بھی۔ دنیا میں سفید فاموں کے علاوہ اور کوئی بد قسمتی نہیں۔ اب کوئی چراغ رات بھر نہیں جلتا نہ کوئی ہمسایہ ملنے آتا ہے اب عشائیے کے بعد دھیمی آواز میں گفتگو بھی نہیں ہوتی ہے اب کوئی ننگے پاؤں بچوں کو اجنبیوں کے جوتوں میں پاؤں ڈالتے نہیں دیکھتا۔"(8)

ناول دلاری میں علامتوں کا استعمال کر کے غلامی کے اثرات کو بیان کیا گیا ہے۔ جو مابعد غلامی بھی افریقہ کے سیاہ فام لوگوں کے ساتھ ہی چلتے ہیں۔ دلاری میں درخت اور بھوت دونوں غلامی کی علامتیں ہیں۔ سیتھ کی پشت پر درخت کا نشان یہ ثابت کرتا ہے کہ وہ آزادی میں میں بھی غلامی کو پشت پر سوار کیے ہوئے ہے اور دلاری کا بھوت کی شکل میں گھر میں آنا بھی یہی ثابت کرتا ہے کہ صدمہ کی صورت میں انسان اس کو بھلاتا نہیں ہے اور حال میں بھی انسان کو گھیر لیتا ہے۔ دلاری کا کردار علامتی ہے اس میں تین طرح سے علامت کو استعمال کیا گیا ہے ایک زندہ انسان، بھوت اور یاد ماضی کی صورت میں وہ احساس جرم اور غلامی کا ٹراما بھی ہے جو آزادی میں بھی سائے کی طرح لوگوں کی زندگیوں پر اثر انداز ہے اور اس حقیقت کی طرف اشارہ بھی ہے کہ غلامی جیسے ٹراما کو کبھی نظر انداز نہیں کر سکتے ہیں۔ 124 نمبر گھر کا علامتی استعمال یاد ماضی اور خوف کا مسکن ہے جہاں ہر وقت بے چینی رہتی ہے پھر ماں اور بیٹی کے رشتے میں اس بات کا ثبوت ہے کہ غلامی فطرت انسان کو مسخ بھی کر دیتی ہے۔ سیتھ کی پیٹھ پر درخت کا نشان یہ بتاتا ہے کہ غلامی جسم تک محدود نہیں ہوتی بلکہ فکر پر بھی اثر انداز ہوتی ہے۔

"تمہاری پشت پر کون سا درخت ہے؟ کیا تمہاری پشت پر کچھ اگ آیا ہے؟ مجھے تمہاری پشت پر کچھ اگتا نظر نہیں آرہا وہ ہے نا وہاں تم سے کس نے کہا؟ سفید فارم لڑکی نے اس نے یہی کہا تھا میں نے خود بھی تو کبھی دیکھا ہے نہ دیکھ سکتی ہو لیکن اس کا کہنا ہے کہ وہ کسی درخت کی مانند ہے ایک تنا، شاخوں اور پتوں سمیت چھوٹے چھوٹے چوک چیری کے پتے لیکن یہ اٹھارہ سال پہلے کی بات ہے ممکن ہے اب اس میں چیری بھی آگئی ہو۔"(9)

جذباتی بے حس ہونا بھی ٹراما کا حصہ ہے۔ جذباتی بے حسی دراصل غلامی کے صدمے کی وجہ سے ہی ہے۔ پال ڈی جیسا کردار اپنے جذبات کو تمباکو کے زنگ آلود ڈبے میں ڈال دیتا ہے اور وہاں اپنے جذبات ماضی کی یادوں کے ساتھ قید کر دیتا ہے۔ یہ نفسیاتی طور پر ہی ایسا ہو جاتا ہے کہ وہ غلامی سے نکل کر بھی خود کو غلام ہی سمجھتا ہے۔ غلامی کے دور میں خاندان کو سفید

فام لوگ مار دیتے ہیں اور ایسا آنکھوں کے سامنے کیا جاتا ہے۔ وہ اتنا صدمے میں مبتلا ہوتا ہے کہ اس پر اب کسی کے جذبات کا اثر نہیں ہوتا۔ اسی کو بے حسی کہتے ہیں۔

خوف اجتماعی و نفسیاتی کیفیت کی صورت میں ابھرتا ہے۔ سیتھ کا خوف یہ ہے کہ اس کی بیٹیاں بھی کہیں اسی طرح کی غلامی کی زندگی نہ گزاریں اس غلامی سے جان چھڑانے کے لیے اپنی بیٹی کو مار دیتی ہے یوں اس کا خوف مامتا کو مات دے دیتا ہے۔ اس طرح پال ڈی اور بی بی سگس کے کردار دلاری سے خوفزدہ ہیں دلاری غلامی کا استعارہ ہے۔ جس سے سب خوف محسوس کرتے ہیں کہ کہیں دوبارہ نہ آ جائے اور اجتماعی طور پر سب مل کر اس غلامی سے نجات حاصل کرتے ہیں۔ اس ناول میں تنہائی بھی بڑا صدمہ ہے۔ تنہائی سے پیدا ہونے کی وجوہات سماجی بے دخلی اور نسلی تعصبات ہیں۔ دلاری کی تنہائی تو ماضی سے جڑی ہے۔ یہ تنہائی صرف خاموشی نہیں ہے بلکہ ایک مسلسل بولنے والی تنہائی ہے۔ جو احساس جرم اور خوف کی شکل میں سامنے آتی ہے۔ سویٹ ہوم میں تمام کردار تنہائی کی لپیٹ میں ہیں یہ تنہائی تمام کرداروں میں باطنی خلا پیدا کرتی ہے۔ اقتباس ملاحظہ ہو:

> "ایک قسم کی تنہائی بھلائی جا سکتی ہے۔ بازو باندھے، گھٹنے سمیٹے، ہل ہل کر، کسی جہاز کی ہموار حرکت کی مانند نہیں، بلکہ کسی آرام کرسی کی طرح۔ یہ اندرونی قسم ہے جو جلد کی طرح لپیٹ لیتی ہے۔ پھر ایک وہ تنہائی ہے جو بے قراری بھر دیتی ہے کوئی آرام کرسی پر سکون نہیں کر سکتا۔ یہ اپنے آپ ہی زندہ ہے۔ ایک خشک پھیلتی چیز جس سے خود اپنے قدموں کی جاتی چاپ کہیں بہت دور سے آتی محسوس ہوتی ہے۔"(10)

ناول میں مرکزی کردار سیتھ کا اپنی بیٹی کو قتل کر دینے کے بعد وہ احساس جرم بھی اہم ہے جو دلاری کا ہمیشہ پیچھا کرتا رہتا ہے مگر وہ یہ بات جانتی تھی کہ یہ احساس جرم اسے شدید ذہنی اذیت میں مبتلا رکھے گا۔ خاموشی، خوابوں اور تنہائی میں سیتھ کو یہ بات پتہ ہوتی اس نے اپنی بیٹی اپنے ہاتھوں سے مار کر غلط کیا ہے اور یہ مستقل زخم اس کی زندگی کا روگ ہی ہے جس پر سوائے پچھتاوے کے کچھ نہیں کیا جا سکتا۔ غلامی ایک ایسا ٹراما ہے جس میں مبتلا فرد اکیلے نجات حاصل نہیں کر پاتا بلکہ معاشرہ نکلنے میں مدد کر سکتا ہے۔

ناول کے آخر میں تمام عورتیں مل کر سیتھ کو حوصلہ دیتی ہیں اور گیت پڑھتی ہیں تاکہ وہ دلاری کے بھوت کو وہاں سے بھگا دیں اور وہ کامیاب ہو جاتی ہیں۔ معاشرہ ایک فرد کو غلامی سے چھٹکارا حاصل کرنے میں ہی مدد کر سکتا ہے۔ یہ فرد واحد کی بس کی بات نہیں ہوتی ہے۔ غلامی اجتماعی ٹراما ہے۔ اس ناول میں یہی سمجھایا گیا ہے غلامی جیسے صدموں کا واحد حل

معاشرے میں موجود افراد ہیں جن سے صدمات کو شیئر کر کے ایک کتھارسس ممکن ہے۔ٹونی موریسن کا یہ ناول ٹراما کے عناصر کو بیانیاتی سطح اور عملی سطح پر بھی بیان کرتا ہے۔

الغرض غلامی سے بھاگنا مسئلے کا حل نہیں ہے بلکہ یہ اعتراف کرنا ضروری ہے کہ ماضی کی طرف رجوع نہیں کرنا بلکہ حال کو بہتر بنانا ہے یہ ناول ادبی سطح پر بھی معنی خیز اور مضبوط مثال ثابت ہوا ہے۔

حوالہ جات

1 .http: //www.apa.org /topics/trauma

2 .Ayatollah , Dr ,War Trauma History and Narrative : Analysis of selected Afghan fiction in Unguiltier University Islamabad

3۔ ثمینہ گل، ڈاکٹر، غلام اکبر، ڈاکٹر، اردو شاعری میں ٹرامیٹک کیفیات، زبان و ادب، جلد دوم، شمارہ 14، 2023ء

4۔ نازیہ پروین، ڈاکٹر، اکیسویں صدی کے ناول میں نفسیاتی بیانیہ، یونی ورسٹی آف ایجوکیشن، لاہور، ص نمبر 3

5۔ لوئس ایل سائیڈز، وولڈ وار ٹو، مترجم صفدر رشید، جنگ دوم، حاجی حنیف اینڈ سنز، لاہور، 2005ء، ص نمبر 6

6۔ ٹونی موریسن، بیلیوڈ، مترجم سید سعید نقوی، دلاری، سٹی بک پوائنٹ، کراچی، 2020ء، ص نمبر 53

7۔ ایضاً، ص نمبر 5

8۔ ایضاً، ص نمبر 121

9۔ ایضاً، ص نمبر 27

10۔ ایضاً، 358

References:

1. http: //www.apa.org /topics/trauma
2. Ayatollah , Dr ,War Trauma History and Narrative : Analysis of selected Afghan fiction in Unguiltier University Islamabad
3. Sameena Gul, Dr., Ghulam Akbar, Dr., Urdu Shayari mein Traumatic Kaifiyat, Zaban-o-Adab, JildeDom, Shumara 14, 2023.
4. Nazia Parveen, Dr., Ikkisween Sadi ke Novel mein Nafsiyati Bayania, University of Education, Lahore, p. 3.
5. Louis L. Snyder, World War II, , Mutarjim, Safdar Rashid, Jang-e-Dom, Haji Hanif and Sons, Lahore, 2005, p. 6.
6. ToniMorrison, Beloved, Mutarjim ,Syed Saeed Naqvi, Dulari, City Book Point, Karachi, 2020, p. 53.
7. Ibid, p. 5
8. Ibid, p. 121
9. Ibid, p. 27
10. Ibid, p. 358